عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماهنامه غزالی

صفر المظفر ۱۴۳۱ھ/ فروری ۲۰۱۰ء

RegNo.P476

جلد:ہشتم

شمارہ:6

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/-روپے

ملنے کا پتہ: پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای-میل: physiologist72@yahoo.com

mahanama_ghazali@yahoo.com <<<

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ: www.iaa.org.pk

ذِکرالٰہی (دسویں قسط)

(حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ)

ذکرِ قلبی:

ذاکر جب 'زبان وقلب کے اشتراک' سے کثرت کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرتا رہتا ہے تو ''قلب'' میں ''حدیثِ نفس'' کے طور پر 'ذکرِ الٰہی' کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔اور توجہ سے 'ذکر' محسوس ہوتا ہے۔اصطلاحاً اسے 'ذکرِ قلبی' کہتے ہیں۔دعائے ماثورہ ہے:

اللّٰھم اجعل وساوس قلبی خشیتک و ذکرک

''یعنی اے اللہ میرے دل کے وسوسوں کو بھی اپنا ڈر اور یاد بنا دے''۔

گویا جیسے عامۃ الناس کے وساوس 'غفلت الٰہی' سے ناشی ہوتے اسی طرح ایسے قلوب بھی ہیں جن کے ''قلب کے وساوس'' ''ذکر وخشیتِ رب'' بن جاتے ہیں۔''وسوسۂ قلبی'' کی اس یاد وخشیت بن جانے کی کیفیت کو ہم ''ذکرِ قلبی'' کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔اور کیونکہ خشیتِ مطلوبہ[1] وہی ہے جو معاصی سے روک دے تو مطلوب ذکر قلبی بھی وہی ہوگا جو معاصی سے اجتناب کا سبب بن جائے۔

ایک مسترشد نے حضرت الشیخؒ سے استفسار کیا کہ ''قلب کے ذاکر ہونے کی کیا تدبیر ہے؟''

حضرت سیدی الامام نور اللہ مرقدہ نے جواب تحریر فرمایا:

''قلب کا ذاکر ہونا کوئی فن کی اصطلاح نہیں۔کثرت ذکر سے قلب میں ذکر لفظ اللہ ھو، لا الہ الا اللہ یا کوئی اور، مرکوز ہوکر حدیث نفس کے طور پر جاری ہو جاتا ہے جو ارادہ کے بغیر بھی قائم

---

[1] دعائے ماثورہ ہے:۔ **اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا و بین معاصیک** (مشکوۃ،۲۱۹،بحوالہ ترمذی)،اے اللہ ہمارے لئے اپنی وہ خشیت مقدر فرما جو ہمارے اور تیرے درمیان گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔

رہتا ہے بلکہ اس کا استحضار بھی نہیں رہتا کہ ذکر جاری ہے۔ بہر حال اس کا طریق صرف کثرت ذکر بتوجہ تام ہے۔ اور یہ کوئی مشکل نہیں، ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے کہ طاعات و مرضیات الٰہی کے اتباع کا ذوق بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہر حال میں ہو۔"

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اس (ذکرِ قلبی) کا طریقہ یہی ہے کہ کثرتِ ذکر کی کوشش کی جائے۔"

ایک اور طالب کو ارقام فرمایا:

"ذکر لسانی کی کثرت سے ذکر قلبی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔"

انہی کو تحریر فرمایا:

"یہی (اسم ذات کا ہزار دفعہ ذکر) کافی ہے۔ اس سے ذکر قلبی کی کشائش ہو جاتی ہے۔"

'جذرِ قلب' میں ایک لطیفہ ہے جو امانتِ الٰہی [۱] کا مورد اور فطرتاً مشتاق ربانی اور جویائے قرب و یادِ الٰہی ہے۔ اس کی تسکین و تسلی صرف ذکر حق سے ہوتی ہے۔ جب توجہِ باطنی سے ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے تو یہ لطیفہ زندہ ہو کر مشغول بیادِ الٰہی ہو جاتا ہے۔ اسی لطیفہ کی یہ 'مشغولیت بذکر خاص' ذکرِ قلبی کہلاتی ہے۔ اور یہ ذکرِ خاص عادتاً وہی ہوتا ہے جسے ذاکر کثرت سے کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اصلِ قلب میں جڑ پکڑ جاتا ہے۔ یہ لطیفہ قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں۔

"(لطائفِ ستہ) حدیث وقرآن سے ثابت نہیں۔ حدیث وقرآن سے صرف لطیفۂ قلب ثابت ہے۔ قرآنِ پاک میں 'قلبِ سلیم' اور 'قلبِ منیب' کا ذکر آتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ ٹھیک ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا، 'الا و ھی القلب'۔ اس لئے حاجی صاحب رحمہ اللہ کے سلسلے میں سارا زور قلب کے تزکیہ پر ہے۔"

---

[۱] ان الامانة نزلت فی جذر قلوب الرجال (الحدیث بخاری و مسلم)

یہ ذکرِ قلبی، گو مامور بہٖ اور وجہ تسکینِ قلب ہے۔ لیکن اشغال اور ذہنی مشغولیت میں ذہول (غفلت) کا بھی اندیشہ ہے۔ اس لئے ذکرِ قلبی کے ساتھ ذکرِ لسانی کا اقتران (یعنی دونوں کا ایک ساتھ ہونا) بھی ضروری ہے کہ اگر بالفرض ذکرِ قلبی کا ذہول ہو جائے تو ذکرِ لسانی کی برکت سے تو انسان محروم نہ رہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اصل ارادہ اور زبان سے ذکر کرنا ہے تا کہ اس خیال سے کہ ذکرِ قلبی جاری ہے، ذہول میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ نئے ارادہ کے ثواب سے محروم نہ رہے۔''

ذکرِ قلبی کیونکہ بغیر حرکتِ لسان ہوتا ہے اس لئے نماز میں بھی حارج نہیں۔ حضرت والاؒ ایک سالک کو جس پر غلبۂ ذکر کا حال طاری تھا، ارقام فرماتے ہیں:

''ذکر بالقلب نماز میں حارج نہیں باللسان سے احتیاط کرنی چاہئے۔''

دوامِ ذکر:

ایک طالب کو جنہیں حق تعالیٰ نے بفضلہٖ دوامِ ذکر کی نعمت عطا فرمائی، حضرت والاؒ مختلف مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں:

''ہر وقت ذکر کی مصروفیت یعنی دوام ذکر قلب بڑی نعمت ہے، جو آپ کو مل رہی ہے، اس کو جاری رکھئے۔''

''یہ بھی ذہن میں رہے کہ کشف و الہام وغیرہ محض محمود ہیں، مقصود نہیں۔ ان باتوں کو قربِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں۔ قرب الٰہی صرف ایمان اور عملِ صالحہ کا نتیجہ ہے۔ اس لئے دوامِ ذکر اور کثرت اعمالِ صالحہ کی فکر رہنا چاہئے۔''

ان ہی کو تاکید فرماتے ہیں:

''کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہ کیجئے اور صرف حسنِ عمل اور کثرتِ ذکر کی طرف توجہ

کیجئے۔''

پاسِ انفاس:

دوامِ ذکر کی ایک نوعیت پاسِ انفاس ہے کہ کوئی سانس یادِ الٰہی سے خالی نہ جائے۔ یہ بھی کثرتِ ذکر کی مخصوص صورت سے میسر آتا ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ سالک سانس کو اس توجہ سے لے کہ اس سانس کے ساتھ 'اللہ اللہ' یا 'اللہ ھو' یا 'لا الہ الا اللہ' جاری ہے۔ زبان کا تلفظ نہ ہو ذکر قلبی ہو اور دھیان یہ ہو کہ ہر تارِ نفس کے ساتھ ذکر کی آمد و رفت ہے۔''

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

نوائے صبح گاہی نے جگر خون کر دیا میرا خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے

اگر میں کیمیا گر ہوں تو میری کیمیا کیا ہے یہی تارِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے؟

ایک سالک نے حضرت والاؒ سے پاسِ انفاس اور اس کے فائدہ کے متعلق پوچھا۔

حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ نے جواباً لکھا:

''پاسِ انفاس یہ ہے کہ کوئی سانس ذکر الٰہی سے خالی نہ جائے۔ اس کی صورت یہ ہے جو آسانی سے ہو سکتی، ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ جاری رہے۔ بغیر تلفظِ لسانی محض ذکر قلبی کے ساتھ، اس کا ذکر ہے جو حسب استطاعت مامور ہے۔''

ایک دوسرے طالب کو تحریر فرمایا: ''پاسِ انفاس یہ ہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو اور اس کے لئے اللہ کافی ہے۔'' (جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع انشاء اللہ! ۲۷ مارچ بروز ہفتہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کے بعد ہوگا۔ ساتھی اپنا بستر ساتھ لائیں۔

بیان (۱-۱۰-۲۰۰۲)

(ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہٗ)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین قیمتی چیزیں عطا فرمائی ہیں جان، مال اور وقت۔ان میں سب سے قیمتی چیز جان ہے پھر وقت ہے اور مال۔ان چیزوں کا صحیح استعمال اگر انسان کو آجائے تو آدمی آخرت اور دنیا دونوں کما لیتا ہے۔اعزاز ان چیزوں کے صحیح استعمال میں ہے۔کسی آدمی کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپؐ نے فرمایا کہ ہمیں مولانا زکریاؒ کی یہ بات بہت پسند ہے کہ وہ وقت کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔آدمی کا کوئی بھی وقت آخرت کی نیت اور عمل کے بغیر نہ گزرے۔

یہ واقعہ میں نے آپ کو کئی بار سنایا ہے کہ حضرت مولانا یحییٰؒ جو مولانا الیاسؒ کے بھائی تھے اور مولانا زکریاؒ کے والد صاحب تھے، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے، مدرسے میں ان تھک پڑھانے والے اور دین کی محنت کرنے والے اور ساتھ اپنا کتب خانہ بھی چلاتے تھے جو ان کا ذریعہ معاش تھا۔اُن کا زیادہ تعلق ولایتی طلباء سے ہوتا تھا، ہندوستان میں صوبہ سرحد اور افغانستان کے طلباء کو ولایتی طلباء کہتے تھے۔یہ بہت مخلص ہوتے تھے اور اساتذہ کی بہت خدمت کرتے تھے۔سخت گرمیوں میں وہ ان کو لے کر کسی بے آبادسی مسجد چلے جاتے تھے کنواں تو ہر مسجد میں ہوتا تھا تو کنویں سے پانی نکال نکال کر شاگرد اُن پر ڈالتے تھے۔ایک اور مولوی صاحب آئے ان کے دل میں خیال گزرا کہ یہ کیسا مولوی ہے؟ حضرت کا مرید بھی ہے اور اسراف کر رہا ہے کیونکہ غسل تو پانچ رطل پانی سے کرنا چاہئے (یہ تقریباً ڈھائی لیٹر بنتے ہیں)۔ہم تو ٹونٹی کھول کر وضو کرتے ہیں ایک بالٹی پانی ضائع کر دیتے ہیں۔ایک دفعہ مولانا ابرار الحق صاحبؒ جو حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے واحد زندہ خلیفہ ہیں ہندوستان میں مقیم ہوتے ہیں (اُس وقت حضرت حیات تھے) انہوں نے حج سے واپسی پر ایک ہفتہ پاکستان کو دیا تھا اس میں کراچی میں قیام ہوا اور لاہور سے ہوتے ہوئے پشاور بھی تشریف لائے ہمارے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی خانقاہ پر۔تو ہمیں حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے بڑے آداب وغیرہ سکھائے تھے کہ احتیاط سے بیٹھنا ہے اور احتیاط سے بات کرنی ہے۔لہٰذا ہم بہت احتیاط کر رہے تھے کہ

کوئی ایسی بات نہ ہوجائے جس سے وہ ناراض ہوجائیں۔ انہوں نے داخل ہوتے ہی کہا کہ وضو کے لوٹے کدھر ہیں؟ سب ادھر اُدھر دوڑ رہے ہیں لوٹے کدھر تھے، سب ٹونٹی پر وضو کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی مجھ سے پیسے لو اور لوٹے لے کر آؤ۔ تو ایک آدمی نے فوراً گاڑی نکالی اور بیس پچیس لوٹے لے کر آیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ لوگوں کو تقریر سنانے کے لئے جمع کیا ہے؟ تو عرض کیا کہ نہیں جی یہ تو ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ہیں اگر آپ کی طبیعت چاہے اور تقریر فرمالیں تو آپ کی مرضی ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ اُنہوں نے کہا ٹھیک ہے پھر سب کو بٹھایا اور بیان شروع کیا۔ سبحان اللہ! ایسا بیان کیا کہ ہماری تو چیخیں نکل گئیں۔ کوئی صرفی نحوی بیان نہیں کر رہے تھے کہ یہ صلہ ہے یہ موصول یہ فاعل ہے یہ مفعول ہے وغیرہ۔ سادہ سی بات کر رہے تھے لیکن اُمت کا ایسا غم بیان کر رہے تھے کہ آدمی کا دل ٹکڑے ہو رہا تھا۔ خیر جی ہم بات کر رہے تھے جان، مال، وقت کے صحیح استعمال کی۔ تو مولوی صاحب کے دل میں یہ خیال اٹھا کہ یہ مولانا صاحب کیا کر رہے ہیں بزرگوں کے مرید بھی ہیں اور اسراف کر رہے ہیں۔ مولیوں کو آپس میں ایک دوسرے کا پتہ ہوتا ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ مولانا یحییٰ صاحب کو اندازہ ہوگیا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ اُنہوں نے وہی سے کہا کہ مولوی صاحب غسل کی نیت سے پانی نہیں ڈال رہا ہوں بلکہ تبرید کی نیت سے یعنی ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے ڈال رہا ہوں تا کہ طبیعت تازہ ہو اور پھر دین کے کام میں، پڑھنے پڑھانے میں یہ تازگی استعمال ہو۔ تو عرض یہ تھی کہ پانی جو وہ استعمال کر رہے تھے آخرت کی ایک نیت کے ساتھ استعمال کر رہے تھے اور ہم جیسے کم فہم، ناسمجھ لوگ جو ہوتے ہیں وہ دین کا کام بھی کر رہے ہوں تو وہ دنیا کی نیت سے کرتے ہیں اور اللہ والے دنیا کا کام بھی کر رہے ہوں تو صحیح نیت سے، انہوں نے دنیا کو دین بنایا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ محققین اور کاملین کو صحیح نیت کا فہم ہوتا ہے۔ صحیح نیت کا فہم ہوجانا یہ معرفت ہے۔ کام کرتے وقت یہ خیال ہو کہ اُس کے پیچھے نیت کیا ہے؟ آدمی کی جان، مال، وقت یہ دین کیلئے استعمال ہو۔

ہمارے گاؤں والوں نے میرے والد صاحب کو خوب میرے خلاف اُبھارا ہوتا تھا کہ آتا ہیں اور آپ کا خیال نہیں رکھتا، یہ یہاں کیوں نہیں رہتا کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ یہ یہاں آجائے یا کم از کم ہر جمعہ کو آئے (اس وقت چھٹی جمعہ کی ہوتی تھی) تا کہ ہمارے مریضوں کو دیکھے اور ہمارے مسائل کو حل

کرنے کے لئے چلے پھرے ہماری سفارشیں کرے۔ تو جب بھی میں گاؤں جاتا تھا تو آدھا گھنٹہ والد صاحب میری ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے کہ اس کی شکل کو دیکھو، ڈاڑھی کو دیکھو سفید بال آگئے داڑھی میں لیکن عقل اس کو نہیں آئی۔ سچ بات ہے کہ والدین کی ڈانٹ ڈپٹ محبت کے تحت ہوتی ہے دشمنی کے تحت نہیں ہوتی۔ ہمیں اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ کے مجالس سے یہ بات سمجھ آئی ہوئی تھی کہ والدین کی ڈانٹ ڈپٹ سننا یہ بڑی سعادت ہوتی ہے۔ تو میں سنتا رہتا جب وہ اپنی بات مکمل کر لیتے تھے تو میں ان سے کہتا میں تو اس لئے آتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہو زیارت ہو اس میں اگر میں باہر کے کاموں میں پڑ جاؤں تو اپنی جان مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ یہ لوگ سب کچھ اپنے فائدے کے لئے کہتے ہیں، آپ کے فائدے کو نہیں دیکھتے۔ تو وہ کہتے چلیں ٹھیک ہے۔ ایک دفعہ گاؤں والوں نے والد صاحب کو یہ کہہ کر اُبھارا ہوا تھا کہ گاؤں کے دوسرے ڈاکٹر اقبال صاحب امریکہ گئے ہیں اُنہوں نے اتنے پیسے مساجد کیلئے بھیجے ہیں اتنے پیسے بیواؤں، غریبوں کے لئے بھیجے ہیں، اتنے دارالعلوموں کیلئے بھیجے ہیں۔ تو خیر جب میں گاؤں گیا تو والد صاحب نے یہ پوری داستان مجھے سنائی۔ میں نے کہا جی اقبال نے تو دین کے لئے مال دیا ہے اور ہم نے تو دین کو جان دی ہوئی ہے۔ والد صاحب خوش ہوئے اور کہا بس ٹھیک ہے کیونکہ عالم تھے اور آنے جانے کا کرایہ بھی دے دیتے تھے۔ ہمارے بھائی صاحب سے کہا کہ تم لوگ ایسے ہی خیراتیں کرتے رہتے ہو تمہارے پاس اضافی پیسے ہوا کریں تو اس کے پاس دین کے کام کیلئے بھیجا کرو۔ تو ہمارے لئے کچھ نہ کچھ بھیجا کرتے تھے۔ تو دین کیلئے مال دینا اچھی بات ہے مگر دین کو جان دینا یہ اصل ہے۔ اب ایک آدمی دارلعلوم کو چندہ بھیج رہا ہے اور دوسرے نے اپنا بیٹا داخل کیا ہوا ہے تو جس نے بیٹا دیا ہوا ہے چندے والا اُس تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ اسی کی برکت سے تو ان کے کاروبار چل رہے ہوتے ہیں اور یہ اس غلط فہمی میں ہوتے ہیں کہ شاید ہمارے چندے سے مدارس چل رہے ہیں۔ ایسی بات قطعاً نہیں ہے بلکہ اہلِ مدارس کی دعاؤں سے آپ کے کاروبار چل رہے ہیں۔ حضرت مولانا یوسف بنوری صاحبؒ کے زمانے میں ایک آدمی نے بنوری ٹاؤن کے مدرسے کے لئے پنکھے بھیجے ایک دن وہ آدمی آیا اور کہنے لگا حضرت یہ طلباء پنکھوں کو بے

دریغ چلاتے ہیں اس طرح تو یہ خراب ہو جائیں گے۔ اُنہوں نے کہا جب آپ نے پنکھے دے دیے تو اب آپ کا ان کے ساتھ کیا تعلق رہا اور کہا کہ اس کے پنکھے اُٹھا کر اس کے حوالے کرو۔ دارالعلوم کوئی تمہارے پنکھوں کا محتاج ہے اور آپ کے چندوں کا محتاج ہے کہ ہم سوالی بنیں۔ اللہ کی شان کہ جب کوئی کمر باندھ کر دین کا کام کرنے کے لئے آگے بڑھے تو مالی وسائل تو دین کے کام کیلئے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ایسی جگہوں سے دیتا ہے کہ آدمی کو اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا حسن جان صاحبؒ نے ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک مدرسہ تھا اُس کے مالی وسائل کم ہوئے تو پاس ایک یہودی کی دکان تھی اُس یہودی نے چندہ دیا ہے۔ اُس سے پوچھا کہ آپ کیوں مدرسے کے لئے چندہ دے رہیں ہیں؟ تو اُس نے کہا کہ ہمارا علاقہ بہت دور ہے اور ہمارے مذہب میں ہے کہ آسمانی کتاب کی خدمت کیلئے جو پیسہ لگتا ہے وہ بہت برکت والا ہوتا ہے، کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔ چونکہ ہمارا علاقہ بہت دور ہے تو میں نے سوچا کہ قرآن پاک بھی آسمانی کتاب ہے لہٰذا میں نے مدرسے کو چندہ بھیج دیا۔ فتاویٰ دیوبند میں لکھا ہوا ہے کہ جو کافر مدرسے کے انتظامی امور میں مداخلت نہ کرتا ہو اور یہ نہ کہے کہ ہم نے مسجد مدرسے کے لئے چندہ دیا ہے تو آپ ہمارے گرجے، مندر کے لئے چندہ دیں گے تو اس سے چندہ لے سکتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم اُس سال جب حج کیلئے گئے تو وہ یہودی اور اُس کا پورا خاندان حرم شریف میں بیٹھا ہوا تھا اُس نے بتایا کہ سب خاندان والوں نے ایک ہی خواب دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا اور قبول ہوئے۔

اُس دن ایک خیال آیا اور افسوس بھی ہوا ہمارے سلسلے والوں میں شادی ہوئی اُس میں لڑکے والوں نے لڑکی والوں کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمیوں کی بارات آئی گی اور اُن کے لئے ایسا کھانا تیار کرنا ہوگا۔ ایک دوسرا واقعہ کہ ایک برخوردار جو سلسلے میں بیعت ہیں اُن کی شادی ہو رہی تھی تو لڑکی والوں کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمی ہمارے آئیں گے اور پشاور یونیورسٹی کا جو پیوٹا (PUTA) سنٹر ہے آپ اُس میں بارات کو وصول کریں گے اور کھانا اُس میں دینا ہوگا تو کوئی ڈیڑھ لاکھ روپے کھانے کا خرچہ ہوا تو اس کا بھی بہت افسوس ہوا۔ دل میں ایسے خیال آیا کہ ہمارے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ

علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بارات بے وقوفوں کی ٹولی ہوتی ہے اور یہ چور بن کر جاتے ہیں اور ڈاکو بن کر لوٹتے ہیں۔ چور بن کر جاتے ہیں کیونکہ مطالبہ کیا ہوتا ہے کہ کھانا دو گے تو یہ ڈنڈا ماری نہ ہوئی تو کیا ہوئی کہ اگلے آدمی پر زبردستی کرے اور کھالیا تو ڈاکو بن کر آگئے۔ ہمارے علاقے میں ایک 'تڑون' ہے یہ پشتو کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے باندھنا، جس طرح کسی ملک کا آئین ہوتا ہے ایسے ہی مختلف علاقوں میں کچھ باتوں کی پابندی ہوتی ہے اس کو تڑون کہتے ہیں۔ ہمارے علاقے میں تڑون تھا بارات تو خیر تھی کیونکہ ہندوؤں کا ایک رواج چلا ہوا تھا مگر یہ بات طے تھی کہ گئی ہوئی بارات وہاں جاکر پانی تو پی سکتی ہے باقی کچھ بھی نہیں کرسکتی۔ پھر کچھ چلمی تھے تو انہوں کچھ ملی بھگت کی اور کہا کہ چلم ہوگی اور چلم کا بندوبست گاؤں کے حجام نے کرنا ہوتا تھا تو اس کی بھی آمدنی کا بندوبست ہو جاتا تھا۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ ان اضافی خرچوں کے خاتمے کی کوئی صورت انشاءاللہ کریں گے۔ جو یہ ۵۰، ۱۰۰ آدمی جاتے ہیں ان سے کوئی پوچھے کہ آپ گاڑی میں بیٹھ کر گئے وہاں پورا وقت لگایا آپ کی وہاں کیا ضرورت تھی؟ پھر جہیز کا مطالبہ کرنا۔ میں نے آپ کو بتایا کہ ابرارالحق صاحبؒ کے بیان میں میری چیخیں نکل گئی تھیں۔ چیخیں اس بات پر نکلی تھیں کہ اُنہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں ہندوستان میں میسور اور فلاں فلاں جگہوں پر جب رشتہ لے کر جاتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ آپ کتنا جہیز دیں گے تو مثلاً اُنہوں نے کہا کہ پچاس ہزار کا دیں گے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ رشتہ نہیں کرتے ہم تو وہاں کریں گے جہاں ایک لاکھ کا جہیز ہوگا۔ تو اُنہوں نے بتایا کہ اس طرح ایک غریب لڑکی کا رشتہ آتا تھا اور چونکہ وہ مطالبہ پورا نہیں کرسکتے تھے تو وہ واپس چلے جاتے تھے۔ ایک رات ماں نے کہا کہ یہ کیسی منحوس لڑکی ہے کہ اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہوتا۔ لڑکی اپنے کمرے میں گئی صبح ہوئی لڑکی نہیں اُٹھی انہوں نے دستک دی مگر دروازہ نہ کھلا۔ دروازہ توڑ کر اندر گئے تو لڑکی چوہے مار دوائی کھا کر مرگئی تھی۔ تو اس قتل کا ذمہ دار کون ہوا؟ اس کا جواب کون دے گا؟ اس بات پر میری بہت چیخیں نکلیں۔ حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک وعظ میں لکھا ہوا ہے کہ ایک رئیس کے والد صاحب کی وفات ہوئی تھی اُس کا چالیسواں ہو رہا تھا تو برادری سے سارے لوگ رؤساء، نواب آرہے ہیں کسی کے ساتھ دو گھوڑے کسی

کے ساتھ چار گھوڑے، کسی کے ساتھ ایک ہاتھی کسی کے ساتھ دو ہاتھی آرہے ہیں۔ ان سارے جانوروں کے چارے کا بندوبست، انسانوں کے کھانے کا بندوبست ۔ خیر جی سب آئے رات کو کھانا کھایا۔ صبح جو چالیسویں کی خاص دعوت کا کھانا رکھا گیا تو رئیس نے کہا کہ کھانا کھانے سے پہلے میری ایک بات سن لیں ۔اُس نے کہا کہ میری تو والد صاحب کی موت ہوئی ہے، اتنی ہم پر مصیبت آئی، اتنا ہمارا نقصان ہوا اور اتنی مالی تکالیف آئیں اس پر مزید اتنے سارے لوگوں کیلئے کھانے کے بندوبست کا خرچہ، اتنے جانوروں کے چارے کا خرچہ یہ سب مصیبت ہم نے جھیلی ہے چلو جی اب کھانا کھائیں ۔تو لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا یہ تو بہت بے عزتی کی بات ہے اور واقعی یہ کھانا ہمیں نہیں کھانا چاہیے وہ اُٹھے، نکلے اور کہا یہ کھانا غرباء میں تقسیم کر دیا جائے اس کے بعد اس رسم کا خاتمہ ہوا۔

میں بہاولپور میں تھا تو مجھے ایک کتاب لا کر دی گئی۔ کوئٹہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلے کی گدی ہے اُن کی لکھی ہوئی تھی ۔ اُس میں لکھا ہوا تھا کہ جب تک حاجی صاحب زندہ تھے تو یہ اشرف علی میلاد میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوتا اور اُن کے مرنے کے بعد اس نے یہ پر پُرزے نکالے ہیں اور چالیسوں اور خیراتوں کے خلاف لکھ رہا یہ کر رہا ہے وہ کر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ ماشاءاللہ گدی نشینوں کے سامنے اپنا ایک نقشہ ہے اور حضرت تھانویؒ کے سامنے یہ ہے کہ قوم کا دیوالیہ ہو رہا ہے اور ان چیزوں کے لئے سودی قرضہ لے رہے ہیں۔ اپنی چھوٹی اناؤں اور عزتوں کو بچانے کیلئے ہم یہ سب کر رہے ہوتے ہیں کہتے ہیں ''چہ دا خیرات اونہ کم بیا پر توگ اوزی'' (کہ اگر یہ خیرات نہ کرو تو شلوار اُترتی ہے) تو یہ خیرات تو اللہ کیلئے نہیں ہوئی یہ شلوار کے لئے ہوئی۔ اسلام کا اتنا بڑا ادارہ ہے خیر خیرات کا اور وہ ان فضول رسموں میں ضائع ہو رہا ہے سب لوگوں کے گھر پر کھانا پکا ہوا ہوتا ہے مگر خیرات کھانے کے لئے جا رہے ہوں گے اس پر ہزاروں روپے لگاتے ہیں اور اُن کا اپنا پکا ہوا کھانا کتے بلی کھاتے ہیں۔ میں گاؤں گیا ہوا تھا ہمارے یہ ڈاکٹر امداد صاحب کے والد کی وفات ہوئی تھی اور انہوں نے خیرات کی ہوئی تھی۔ خیرات کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہاں ایک مریض ہے اُس کو اگر آپ دیکھ لیں۔ بتایا گیا کہ غریب آدمی ہے لاہور میں دکان کیا کرتا تھا اور بال بچوں کا خرچ چلاتا تھا اب ایسا بیمار ہوا کہ چار پائی پر پڑا ہے۔ میں نے دیکھا تو اس کو ایک بیماری ہے جسے Parkinsons Disease کہتے ہیں وہ ہوئی تھی۔ اس میں بدن پر رعشہ

ہوتا اور حرکت کرنا مشکل ہوتا ہے اور یہ ایک قابلِ علاج بیماری ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اے دس ہزار کی خیرات کرنے والے ظالموں! تم پر اس آدمی کا علاج فرض ہے اے ظالموں! چاہیئے تھا کہ یہ پیسہ تم اس کے علاج پر لگاتے اس کے لئے چندہ کرتے تاکہ اپنے بال بچوں کے لئے روزی کمانے کے قابل ہوا وراس کی تکلیف رفع ہوتی۔ اے چاول کھا کر، ڈکار مار کر، پیٹ پر ہاتھ پھیرنے والے ظالموں تم خدا کو کیا جواب دو گے؟ تو ہم اس وجہ سے اس کے خلاف بات کرتے ہیں ہم نفس خیرات کے خلاف بات نہیں کرتے۔ کوئی بھوکا ہو اس کو آپ کھانا کھلا لیں اس کا ثواب ہوگا۔ آدمی کے گھر پر کھانا پکا ہوا ہے اور اُس کو آپ بلا کر چاول کھلاتے ہیں اور خیراتوں میں دروازے پر آدمی کھڑا کیا ہوتا ہے کہ غرباء کو اندر نہیں چھوڑنا کہ اگر کھانا کم پڑ گیا تو بے عزتی ہوگی ہاں اگر بچ گیا تو پھر ان کو بھی کھلا دیں گے۔ تو بچا کھچا کھانا غریبوں کو دیتے ہیں کیونکہ وہ خیرات اللہ کی رضا کے لئے تو ہوتی نہیں۔ اسی طرح ولیمہ کا بھی حال ہوتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ ولیمہ جس میں غرباء نہ بلائے گئے ہوں اس میں برکت نہیں ہوتی۔ ایک لیکچرار صہیب صاحب کی شادی ہو رہی تھی اُس کو اس حدیث کا پتہ چلا تو اس نے ۱۷ غرباء کو بلایا جب پیسوں کی ادائیگی کیلئے گئے تو کسی نے کہا کہ ان کو کچھ ڈسکاؤنٹ دے دو۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے ۱۷ آدمی فری ہوں گے۔ تو میرے بھائی اللہ تعالیٰ تو غریب نہیں کہ وہ مخلوق کو روزی نہیں دے سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دل دیکھتا ہے اگر تو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو دس گنا تو دنیا میں ملتا ہے۔ رابعہ بصریہؒ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اُن کے ہاں دس مہمان آگئے اور گھر میں ایک روٹی تھی۔ اتنے میں کسی آدمی نے آواز دی کہ اللہ کی رضا کے لئے بھیک دے دو۔ رابعہ بصریہؒ نے کہا یہ روٹی اس کو دے دو۔ ایک روٹی تھی وہ بھی صدقہ کر دیا ورا پنے دس مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر گزری کہ ایک آدمی آیا اُس نے کہا میں یہ نو روٹیاں لایا ہوں آپ کے لئے، قبول کر لیں۔ رابعہ بصریہؒ نے کہا کہ یہ ہماری روٹیاں نہیں ہیں ہماری تو دس روٹیاں ہونی چاہئیں۔ تو اُس آدمی نے کہا کہ ہاں واقعی بھیجنے والے نے تو دس بھیجی تھیں ایک میں نے اپنے لئے رکھ لی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے دس مہمان آئے ہوئے تھے اور ہمارے پاس ایک ہی روٹی تھی تو آج ہم نے نقد سودا کیا کیونکہ ایک کے بدلے دس گنا بدلہ کا اللہ تعالیٰ کا دنیا میں وعدہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے دس روٹیاں بھجوا دیں۔

ولیموں کو بھی ہم نے نام ونمود کے پروگرام بنادیا ہے۔اگر حیثیت پچاس سو آدمیوں کے ولیمے کی ہے تو کہتے ہیں کہ بے عزتی ہوتی ہے پانچ سو ہونے چاہئیں۔ایک آدمی نے پانچ سو آدمیوں کے ولیمے کا آرڈر دیا یہ جو بڑا مشہور ہوٹل ہے اُس میں۔اُس زمانے میں ایک آدمی کا خرچہ دوسو روپے تھا تو پانچ سو آدمیوں کے اڑھائی لاکھ روپے ہوگئے۔اُس کے مہمان آئے کوئی دوڈھائی سو کے قریب۔باقی خرچہ مفت میں ہوگیا اور یہ بچا ہوا کھانا پھر یہ ہوٹلوں والے فریزر میں سنبھال لیتے ہیں اور ہفتہ دو ہفتے چلاتے رہتے ہیں۔تو میں نے کہا کہ یہ بے وقوف اگر پوچھتا تو ہم اسے کہتے کہ آپ جو ایک لاکھ روپے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو آپ اتنے بڑے ادارے کے سربراہ ہیں، انتظام آپ خود کرتے اور ایک دن اپنے ادارے کے کلاس تھری، فور ملازمین کے لئے کھانے کا بندوبست کرتے اور اس پر کوئی دس ہزار خرچہ آتا اور اپنے کلاس ون افسروں اور باقی مہمانوں کا بھی خرچہ کوئی پچاس ہزار تک آتا، چالیس ہزار پھر بھی بچ جاتے۔تو یہ ہوتا ہے نام ونمود کے لئے۔

حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ کے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائیں بہت بابرکت شخصیت تھے۔رائے ونڈ میں ہم مغرب تا عشاء اُن کے پاس بیٹھتے تھے کیونکہ اہلِ علم تھے، اہلِ تصوف تھے اور ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کے خاص تعلق والے تھے۔ہم تھوڑی دیر اُن کے پیر دبا دیتے تھے اور وہ کچھ باتیں فرما دیا کرتے تھے، ایک دفعہ فرمایا کہ میں دارالعلوم سے فارغ ہونے کے بعد پنجاب میں کسی جگہ امام ہوگیا۔کوئی بہت بڑے خاندانی نوابوں کی مسجد تھی۔فرمایا کہ میں نے درس قرآن شروع کیا تو بڑے نواب صاحب نے بھی بیٹھنا شروع کیا اور کچھ عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے فضل فرمادیا زندگی ہی بدل گئی۔نواب صاحب کے بیٹے کی شادی آگئی۔اُن کے خاندان میں شادی پر رنڈیاں بلانے اور تماشا کرنے کا رواج تھا۔سارے علاقے کے لوگ آتے، تماشا دیکھتے، اس سے اُن کی لیڈری چمکتی اور انتخابات میں اُن کی کوئی حیثیت بن جاتی تھی۔اب بیٹے کی شادی آگئی تو سارے خاندان والے جمع ہوئے مشورے کے لئے کہ شادی کیسے کریں گے؟ تو نواب صاحب نے کہا کہ اب تو جیسے ہزارے کے مولوی صاحب کہیں گے ویسے ہی کریں گے۔فرمایا کہ میرے پاس مشورے کے لئے آئے، میں نے اُن کے پورے حالات کا جائزہ لیا اور اُس میں یہ بات سمجھ آئی کہ یہ لوگ اس قسم کی تقریبات کو اپنی سیاسی حیثیت کے لئے استعمال کرتے

ہیں۔فرمایا کہ میں نے اُنہیں مشورہ دیا کہ آپ کے بیٹے کی شادی کا ولیمہ ہم تین دن کریں گے۔ان تین دنوں میں ہر دن مختلف علاقوں کے لوگوں کو بلائیں گے،لوگ کھانا کھائیں گےاور ساتھ ہی جلیبی والوں نے کڑاہی لگائی ہوگی اور ہر آنے والےکوایک سیر جلیبیاں لے جانے کے لئے دیں گے۔پھرایسا ہی کیا گیا، تین دن ولیمہ ہوااور ہر آدمی ایک ایک سیر جلیبیاں گھر لے گیاتو سارے مردوں،عورتوں،بچوں میں اُن کی خوب شہرت ہوئی اور بہت سیاسی دبدبہ قائم ہوااور خرچہ بھی پہلے سے زیادہ نہیں ہواجو وہ اُن فضولیات پر کرتے تھے۔

تو عرض یہ تھی کہ مال جان وقت کا صحیح استعمال آدمی کو آجائے تو یہ دنیا و آخرت کے خیر دلانے والی چیز ہے۔اور یہ بات حاصل ہوتی ہےاللہ والوں کی صحبت میں۔ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

ترجمہ:اے ایمان والوڈرواللہ سےاور ہوجاؤ سچوں کے ساتھ۔

جب اللہ والوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا نصیب ہو جائے تو دین کا فہم پیدا ہوتا ہے آدمی میں۔سیٹھی کریم بخش مرحوم پشاور کے بہت مشہور مخیّر شخصیت تھے۔اُن کے دو بڑے عجیب واقعات آپ کو سناؤں۔ایک دفعہ انگریزوں نے کہا کہ سارے مخیّر حضرات اسلامیہ کالج کی تعمیر کے لئے چندہ دیں۔سیٹھی کریم بخش مرحوم نے سوچا کہ انگریز کو کیسے چندہ دیں جوانگریزیت عام کر کے دین کا خاتمہ کرنا چاہتا ہےاور نہ دیں تو کاروبار کیسے کریں کیونکہ انگریز بہت ظلم کرتا تھا۔سیٹھی صاحب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے مرید تھے،اُن کو خط لکھا کہ کیا کروں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دعا کرتے ہیں آپ فکر کریں،اللہ تعالیٰ کوئی بہتری کی صورت نکالے گا۔سیٹھی صاحب غور کرتے رہے آخرایک خیال سوجھااور جا کر کہا کہ کالج آپ لوگ بنادیں مسجد میں بنادوں گا۔تو یہ اسلامیہ کالج کی مرکزی مسجد جوایسی عظیم الشان مسجد ہے کہ مغل دور کی یاد تازہ کرتی ہے،انہوں نے بنائی ہے۔دوسراواقعہ میں نے مولانا بجلی گھر صاحب سے خود سنا ہے کی کسی وجہ سے اٹھارہ سال بعد سیٹھی کریم بخش صاحب مرحوم کی قبر کوکھولا گیا ہے تو لاش بالکل صحیح سالم اور محفوظ تھی اورایسی تازہ تھی کہ غسل کا پانی بھی بدن پر تازہ پڑا ہوا تھا۔تو بعض لوگ ایسے سمجھدار ہوتے ہیں کہ اپنے مال سے آخرت کمالیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین۔

تبصرۂ کتب

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی کی نظرِ عنایت بندہ پر رہتی ہے۔ پچھلے دنوں چند کتابیں عنایت فرمائیں۔ ایک ''حضرت حسین احمد مدنیؒ کی سوانح وافکار'' کے عنوان سے ہے۔ یہ جناب مولانا اسمٰعیل صاحب شجاع آبادی کی تالیف ہے۔ چند دن کتاب زیر مطالعہ رہی بے حد متاثر ہوا۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے بارے میں تحریر اور مسئلہ قومیت پر علامہ اقبال مرحوم اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف دونوں باب بہت ہی اہم اور قابل قدر ہیں۔

بندہ اپنے سلسلہ میں بیعت حضرات کو وصیتاً، دیوبند کے متوسلین کو بالخصوص اور عام مسلمانوں کو بالعموم یہ عرض کرتا ہے کہ کتاب کے مطالعے سے محروم نہ رہیں۔ کتاب کا ایک اقتباس تو ایسا ہے جسے بندہ اپنے رسالے کی زینت بنائے بغیر رہ نہ سکا، جو درج ذیل ہے۔

بروایت جناب احسان قریشی پرنسپل گورنمنٹ کمرشل انسٹیٹیوٹ سیالکوٹ؛

''۱۹۴۵ء میں میں امرتسر میں بطور لیکچرار متعین تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن مرحوم، راقم الحروف، مرحوم شیخ صادق حسن اور ایم اے او کالج امرتسر کے چند دوسرے پروفیسر مسلم لیگ کو مستحکم بنانے میں دن رات کوشاں تھے اور قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرتے تھے۔ ایک دن سنا کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اپنے سفر کے دوران امرتسر ریلوے اسٹیشن سے گزرنے والے ہیں اور مسلم لیگی طلباء نے یہ سکیم بنائی کہ امرتسر ریلوے اسٹیشن پر ان پر گندے انڈے پھینکے جائیں۔ جب اس کی خبر مفتی صاحبؒ کو پہنچی تو وہ بہت متردد ہوئے۔ مجھے فوراً بلایا اور کہا تم پر لازم ہے کہ تم اُس دن صبح کی گاڑی پر لاہور جا پہنچو اور حضرت مدنیؒ کے ڈبے میں سوار ہو جاؤ۔ جب گاڑی امرتسر پہنچے تو تم مع اپنے دو تین شاگردوں کے حضرت مولاناؒ کے لئے ڈھال بن جاؤ، جو کچھ پھینکا جائے تم اپنے بدن پر سہنا۔ خبردار! حضرت مولاناؒ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ اگرچہ اُن کا اور ہمارا اختلاف

قیام پاکستان سے متعلق ہے لیکن وہ ہمارے اکابر میں سے ہیں سیاست میں اُن کا مطمح نظر خواہ کچھ ہی ہو۔ تم کوشش کرنا کہ کوئی اینٹ، روڑا، پتھر یا گندا انڈا اُن کو نہ چھوئے۔

چنانچہ میں اس دن اپنے تین چار چہیتے اور قابل اعتماد شاگردوں کے ساتھ لاہور پہنچا اور اسی ڈبہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ امرتسر تک آیا۔ امرتسر اسٹیشن پر چند بدقماش طلباء نے گندے انڈے پھینکنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ وہ مجھے ڈبے میں دیکھ کر بہت ہی حیران ہوئے اور کہا کہ ''تم مسلم لیگی ہو کر کیوں مولوی مدنی سے انتقام لینے کو منع کرتے ہو؟'' میں نے کہا ''میں اپنے جیتے جی مولانا مدنیؒ کو کوئی روڑا، اینٹ، گندا انڈا یا کوئی اور چیز لگنے نہیں دوں گا۔'' اس جواب پر آدھے شریر طلباء تو چلے گئے مگر باقی بدذاتوں نے گندے انڈوں کی بوچھاڑ کردی۔ وہ تمام میں نے اپنے بازوؤں، لباس اور منہ پر لیں۔ میرا حلیہ عجیب بن چکا تھا۔ میرے کٹر مسلم لیگی ہونے کے باوجود انہوں نے مجھ پر بہت سے انڈے پھینکے تھے۔ وہ مجھے گالیاں بھی دیتے تھے۔ لیکن الحمدللہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ البتہ میں معمولی سا زخمی ہوگیا، دو روڑے میرے گھٹنوں پر لگے تھے۔ جب میں اس حال میں حضرت مفتی صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا، ''احسان تم نے جنت میں اپنے لئے جگہ بنالی۔''

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اُس کو قربِ خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سخاوت کی صفت کی وجہ سے اُس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور اُس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور (یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے)، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اُس کی کنجوسی کی وجہ سے وہ اُس سے الگ اور لاتعلق رہتے ہیں) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے اور بلاشبہ ایک جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گذار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔　(جامع ترمذی بحوالہ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

ایمان افروز

(ڈاکٹر مولانا عبید اللہ صاحب، چھوٹا لاہور، صوابی)

نیکی ابتداء میں مشکل معلوم ہوتی ہے مگر اختتام پر برکت، فرحت، خوشی اور سرور مہیا کرتی ہے جبکہ گناہ کی ابتداء خوشی لیکن اس کی انتہا بے برکتی، غم اور شرمندگی ہوتی ہے۔ نیکیوں میں ایک اہم نیکی حلال روزی کمانا ہے۔ حلال روزی اور اپنے فرائض منصبی ٹھیک طریقے سے ادا کرنے کے سلسلے میں چند مثالیں عرض ہیں۔

نام اُن کا اسرار الدین ہے، گاؤں سوڈھیر ضلع صوابی کے رہنے والے ہیں۔ علاقے میں عام طور پر ڈی ایس پی صاحب کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ بندہ اُس علاقے میں میڈیکل افسر تھا۔ ان کے ساتھ غائبانہ تعارف تو کافی عرصے سے تھا لیکن ملاقات نہیں ہوئی تھی ایک مرتبہ اچانک ملاقات ہوگئی تو میں نے سلام ودعا کے بعد بغیر کسی تمہید کے پوچھا ڈی ایس پی صاحب بتائیں حلال روزی کی پابندی نے کیا دیا؟ اس پر اس نے بتایا کہ شروع میں تو تکلیف ہوئی اور کبھی کبھی مجھے گھر والی کہتی تھی کہ اے ایس آئی کے بچوں کو ان کی ذاتی گاڑی لاتی لیجاتی ہے اور ہمارے بچے سکول پیدل جاتے آتے ہیں۔ کبھی کبھی میرے پاس پیسے ختم ہوجاتے اور مقروض رہنا پڑتا میں گھر والوں کو سمجھاتا رہتا تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آسانی کردی اور کوئی خاص تکلیف پیش نہیں آئی۔ افسران بھی حلال روزی کی وجہ سے میری عزت کرتے تھے۔ ڈی ایس پی صاحب آج کل ریٹائرڈ ہیں لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے ایک بیٹے نے سی ایس ایس کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے، محکمہ صحت صوبہ سرحد میں ڈپٹی سیکریٹری کے عہدے پر تھے بعد میں ڈی سی چترال تعینات ہوگئے۔ حلال روزی کا اہم صلہ لائق وفرمانبردار اولاد ڈی ایس پی صاحب کو حاصل ہے۔

میرے چھوٹے بھائی نے جو کہ محکمہ تعلیم میں اُستاد ہے بتایا کہ ایک مرتبہ انبار ایلیمنٹری کالج کے پرنسپل فضل محمد صاحب نے بتایا کہ جب تک میں خود سکول میں تعینات تھا اور دوسروں کے بچوں کو ایمانداری سے پڑھا رہا تھا تو میرے بچے بھی پڑے لائق تھے لیکن جب سے کالج میں میری تعیناتی ہوگئی ہے اور میں اپنے فرائض منصبی ٹھیک طریقے سے ادا نہیں کر پا رہا تو اب چھوٹے بیٹے کو ٹیوشن کرا کرا کر میری شامت ہوگئی ہے اس کی تعلیمی حالت بہتر نہیں ہو رہی ہے۔

ملفوظاتِ شیخ (حضرت ڈاکٹر فدا محمد دامت برکاتہم)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)　　(قسط نمبر:۱۹)

ایمان اور اسلام:

فرمایا کہ ایمان اور اسلام ایک تفصیلی بحث ہے۔ ایمان دِل کے عقیدے کو کہتے ہیں اور اسکی آخری حد عمل پر ہے، دل سے شروع ہو کر عمل پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ تو اعمال کو کاٹتے کاٹتے یہاں تک کہ ارکان کو بھی کاٹ لیں، جیسے کسی آدمی کے ہاتھ کاٹ دیں، دونوں پیر کاٹ دیں، دونوں کان کاٹ دیں، تب بھی لوگ کہیں گے کہ آدمی ہے، تو ایسے ہی سارے اعمال کے ترک کرنے کے بعد بھی ایمان باقی رہتا ہے۔

اسلام اعمال کو کہتے ہیں اور اعمال سے شروع ہو کر دل پر ختم ہوتا ہے، اس کی آخری حد دِل کا ایمان ہے۔ لیکن ایمان کی قبولیت کے لیے کم از کم جو اسلام شرط ہے وہ زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ میں مسلمان ہوں، زبان سے اتنا عمل ضروری ہے۔ جس سے اس کو مسلمانوں کی فہرست میں شامل کر کے اس کے ساتھ مسلمانوں جیسے معاملات ہوں گے، اس کا موت کے بعد جنازہ ساری چیزیں مسلمانوں جیسی ہوں، اس کے لیے اتنا عمل ضروری ہے کہ اس نے زبان ہلا کر یہ کہا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ اگر اتنا بھی نہیں ہے تو اس کے ساتھ مسلمانوں جیسے معاملات نہ ہونگے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دل کا ایمان قبول ہو کر بخشش ہو جائے۔

دِین کے کام میں یکسوئی حاصل کرنے کے لئے پیٹ اور پیٹھ کو ہلکا رکھنا ہوتا ہے:

فرمایا کہ ایک عام شکایت جو دِین کا کام کرنے والوں کی طرف سے سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ انفرادی اعمال...... تہجد، تسبیح، تلاوت کے لیے وقت نہیں ملتا یا مارے تھکاوٹ کے اُٹھنا اور ان کاموں میں لگنا بوجھل محسوس ہوتا ہے۔ دراصل کام کرنے کے لیے تو پیٹ اور پیٹھ کو ہلکا رکھنا ہوتا ہے۔ پیٹ کو ہلکا رکھنا تو بسیار خوری سے پرہیز کرنے سے حاصل ہوتا ہے، ضرورت سے زیادہ نہ کھایا جائے اگرچہ اتنا کم بھی نہ کیا جائے جس سے کمزوری ہو جائے۔ پیٹھ کو ہلکا رکھنا غیر ضروری اور لایعنی تعلقات اور کاموں

سے اپنے آپ کو بچانے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں عوام الناس سے تعلق کے شعبے پر غور کرنا ہوگا کہ کتنا تعلق اشد ضروری ہے اور کتنا تعلق محض تفریح طبع، گپ شپ، مجلس آرائی کی نظر ہے۔ اس نظر ہونے والے وقت کو تو بچانا انتہائی ضروری ہے، اسی بات سے تو باطن میں سستی اور غفلت طاری ہوتی ہے۔ عام ملاقاتوں کے بارے میں یہ عرض ہے کہ جب دو آدمی آپس میں ملتے ہیں تو دونوں کے باطن کا حال ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور اپنے اعمال کے بقدر نُور و ظلمت ایک دوسرے کی طرف منتقل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس انتقال میں بھی بیٹری والا قانون چلتا ہے کہ جس بیٹری کی بجلی زیادہ قوت میں ہو (High Voltage) اس سے کم قوت والی بیٹری کی طرف بجلی کا بہاؤ (Current Flow) شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ظلمت والے کی قوت زیادہ ہے تو اس سے ظلمت قلب پر آئے گی جس سے باطن میں ضعف، غفلت اور بے ہمتی طاری ہو جاتی ہے۔ اب اس سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ بندہ کا کچھ وقت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ والوں کے ساتھ بیٹھنا ہوا۔ ان کی یہ ہدایت ہوا کرتی تھی کہ راستہ چلتے ہوئے سر پر ایسا کپڑا ڈال کر چلنا چاہئے جس سے صرف اتنا راستہ نظر آئے جتنا ضرورت ہے اور دائیں بائیں نگاہ متوجہ نہ ہو، تاکہ باطن میں فالتو خیالات ہی داخل نہ ہوں۔ کیونکہ فالتو نظارے اور فالتو خیالات باطن میں داخل ہو کر اندر ایک تصورات کی ریل چلا کر یکسوئی اور سکون کو درہم برہم (Shatter) کر دیتے ہیں۔ بقول حضرت حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یکسوئی کے بغیر یک سُوئی بھی نہیں یعنی ایک سُوئی کے بقدر بھی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اپنے اوقات اور اپنے باطن کی بہت زیادہ حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔

پیٹھ کو ہلکا رکھنے میں اسباب معیشت میں بھی بقدر ضرورت لگنا ہوتا ہے۔ فالتو جنجال اپنے ذمے نہیں لینا ہوتا، اپنے کام سے کام رکھنا، ہر کسی کے مسئلے میں اپنے آپ کو اُلجھانے سے بچانا، برادری کے مسائل اور جھگڑے جو اشد درجہ کی ضرورت کے تحت اپنے ذمے نہ ہوں ان سے اپنے آپ کو دُور رکھنا یکسوئی حاصل کرنے کے راز ہیں۔ اوقاتِ طعام و آرام کی پابندی اس سلسلے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے۔ حال دُرست نہ ہو رہا ہو تو کاملین کی صحبت میں رہ کر یا حضرات انبیائے علیہم السلام، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کے تذکروں کو انہماک سے پڑھ کر باطن کو دھونے کی ضرورت ہوتی ہے۔

جب جان لیوا حالات آجائیں تو آپ اس میں توریہ بھی کرسکتے ھیں:

فرمایا کہ جب جان لیوا حالات آجائیں تو آپ اس میں توریہ بھی کرسکتے ہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب گرفتاری کا حکم ہوا تو حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو ہجرت کرکے مکہ مکرمہ چلے گئے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ آتے ہی گرفتار ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ میری گرفتاری کے لیے جب آدمی آئے تو انھوں نے مجھے بھی پکڑلیا، کپڑوں اور ڈیل ڈول سے یہ ایسے نظر نہیں آتے تھے کہ یہ وہ آدمی ہیں جو ساری انقلابی تحریک کے امام ہیں۔ اتنے بڑے عالم لیکن سادہ لباس میں ہوتے تھے کہ ان کو خیال نہیں آیا، تو انھوں نے کہا کہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کہاں پر ہیں؟ کہتے ہیں کہ جس جگہ میں کھڑا تھا اس جگہ سے کچھ قدم آگے آکر میں نے کہا: ابھی تو یہاں پر تھے، وہ میری بات کو سمجھ نہ سکے اور چلے گئے۔ میں تین دن کے لیے روپوش ہوگیا، تین دن جب مکمل ہوگئے پھر واپس آگیا، تو لوگوں نے کہا کہ آپ کہاں گئے ہوئے تھے میں نے کہا کہ میں گرفتاری سے بچنے کے لیے نہیں گیا ہوا تھا بلکہ غارِ ثور کی تین دن کی چھپنے کی سنت پر عمل کرنے کے لیے گیا ہوا تھا، تین دن ہوگئے اس لیے آگیا ہوں۔ انگریزوں کا مشورہ ہوا کہ ان کو پکڑا جائے اور ان کو پھانسی دے دی جائے۔ پھر ان کی ساری رپوٹیں مکمل ہوئیں کہ تحریک ختم ہوگئی ہے اب اگر ان کو پکڑتے ہو اور پھانسی دیتے ہیں تو ان کی تحریک میں دوبارہ جان آجائیگی۔ انھوں نے کہا کہ کیا کریں؟ پھر اسی میں گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی چھوڑ دیا اور قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی وارنٹِ گرفتاری واپس کردیئے۔ تو ایسے وقت میں اپنے آپ کو بچانے کے لیے توریہ کا مسئلہ ہے کہ آپ ایسی بات کہیں جو جھوٹ نہ ہو لیکن آپ کی جان بچ جائے۔

حضور ﷺ کا سفر ہجرت جو شروع ہوا تو ایک جگہ مخالفین کو اندازہ ہوگیا تھا کہ یہی حضور ﷺ ہیں، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شہرت زیادہ تھی، ان کو پہچانتے تھے اور حضور ﷺ کی شہرت زیادہ نہیں تھی لہٰذا وہ ان کو نہیں پہچان سکے۔ تو انھوں نے پوچھا کے آپ کے ساتھ کون ہے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے ساتھ آدمی ہے جو مجھے راستہ بتاتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نیت کی کہ مجھے ہدایت کا راستہ بتاتا ہے جبکہ مخالفین سمجھے کہ سفر کرنے کے لیے انھوں نے اپنے ساتھ کوئی راستے کا واقف لیا ہوا ہے، اور ان کو اندازہ

نہیں ہوا کہ یہ حضور ﷺ ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اتنی معیاری شخصیت کے طور پر مشہور تھے کہ ان کو اندازہ تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ کہتے ہیں کہ اس جگہ پر میں نے توریہ کیا ہے اور جھوٹ نہیں بولا ہے۔

کیفیتِ احسان کیا ہے؟

فرمایا کہ ہمارے جو سلاسل ہیں ان کا موضوع قلوب میں محبت پیدا کرنا ہے اور اس کے بعد کیفیت احسان پیدا کرنا ہے۔ کیفیت احسان کسے کہتے ہیں؟ ہم پر اللہ نے احسان بھی کیئے ہیں تو ہم بھی احسان کریں۔ احسان کے کتنے معنی لکھے ہوئے ہیں مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے؟ احسان کے دو معنی لکھے ہیں، حق سے زیادہ کسی کو دینا' یہ ایک معنی ہیں یہ احسان عمل کا احسان ہے اور ایک کیفیتِ احسان ہے۔ کیفیت احسان کے بارے میں حدیثِ جبرائیلؑ ہے کہ جس میں حضرت جبرائیلؑ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرے کہ گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو گویا وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ بندہ کے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ اشعار پڑھا کرتے تھے تو ان میں ایک یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

آتے ہیں خیالوں میں، نگاہوں میں، دِلوں میں
پھر ہم سے یوں کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشیں ہیں

اور اس پر ایسا نعرہ مارتے تھے کہ گویا چھت اُڑ جائے گی۔ اور ہمارا یہ حال ہوا ہے کہ گُوں کی بوری (عورت) نے بدحال کیا ہوا ہے، آگے پیچھے چاروں طرف وہی نظر آتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مجنون کے حالات سناتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ اس پر ایک درجہ لیلیٰ کی محبت میں ایسا آیا کہ اس نے اشعار میں کہا ہے: تمثلی لیلیٰ بکل سبیل (ملتی ہے لیلی مجھ سے ہر راستہ پر)۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذُوالجلال کے ساتھ تعلق کا ایسا حال ہوتا ہے کہ گویا وہ نظر آتے ہیں، اگر چہ یہ نظر آنا مجسم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے جیسے نقشبندی حضرات کہتے ہیں کہ یہ نظر آنا بے چون و بے چگون ہے۔ ایک یاد اور وابستگی دِل میں جمتی ہے اور بدن میں بجلی کی لہروں کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح کی کیفیات ذِکر میں محسوس ہوتی ہیں۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک آدمی نے پڑھا

ے کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ترجمہ: جان سپردگی کے خنجر سے قتل شدہ لوگوں کے لیے ہر لمحے میں غیب سے نئی زندگی ہے۔

جب انھوں نے یہ پڑھا، کشتگان خنجر تسلیم را، تو ان پر موت طاری ہوگئی، جب پڑھنے والے نے کہا ہر زماں از غیب جانے دیگر است تو آپ زندہ ہوگئے۔ سماع کا اُصول ہوتا ہے کہ جس شعر پر حال طاری ہوتا ہے اس کو بار بار پڑھنا ہوتا ہے۔ جب انھوں نے اس کو بار بار پڑھا تو حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ کیفیت بار بار ہونے لگی۔ آخر پڑھنے والے سے کہا گیا کہ کشتگان خنجر تسلیم پر تان توڑ دو، اسی پر اُن کی رُوح، رُوحِ آفرین کے سپرد ہوگئی۔

ہماری یونیورسٹی کی مخلوط تعلیم کے ماحول میں مجازی محبتوں کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ سب جگہوں پر پھر پھرا کر آخر میرے پاس بھی آتے ہیں کہ شاید مسئلہ یہاں سے حل ہو جائے۔ ٹیسٹ کے طور پر میں کہا کرتا ہوں کہ کوئی شعر سناؤ، اس کے شعر سنانے کے دوران اس کے قلب سے قلب ملائیں تو اگر اس پر واقعی محبت کا اثر ہو تو اس کے شعر پڑھنے کے دوران آدمی کا قلب باقاعدہ تپش اور حرارت محسوس کرتا ہے۔ اس طرح کے حضرات جب مجلس میں آتے جاتے رہیں تو کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے اور قلب غیر اللہ کی فانی محبت سے فارغ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک انجینئرنگ کے طالب علم کچھ عرصہ مجلس میں شامل رہے ایک دن بندہ کو محسوس ہوا کہ اس کا قلب خالی ہو گیا ہے۔ بندہ نے شعر سنانے کو کہا، اب کے جب اس نے شعر پڑھا تو کوئی تپش اور حرارت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بندہ نے اسے کہا کہ جاؤ اب خالی ہو گئے ہو، اس پر وہ بھی ہنسا کیونکہ اس کو بھی اندازہ تھا کہ مصیبت اور بلا سے جان چھوٹ گئی۔ واقعی جب کسی کے ساتھ تعلق اور محبت ہو جائے تو ہر وقت اس کی معیت اور ساتھ ساتھ ہونا محسوس ہوتا ہے۔

؎ تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آتے ہیں خیالوں میں، نگاہوں میں، دلوں میں
پھر ہم سے یوں کہتے ہیں کہ ہم پردہ نشیں ہیں

جب اس طرح کی معیت اور دھیان نصیب ہو جاتا ہے تو یہ کیفیتِ احسان ہے۔

(جاری ہے)

آنکھوں دیکھا حال

(عبدالرحمٰن صاحب، کپتان مرچنٹ نیوی)

یہ ایک سچا واقعہ ہے جو میرے ایک دوست خرم جو کہ بحری جہاز پر تھا اسی کی زبانی سنیے۔ یہ ۲۰۰۲ء کی بات ہے میں دنیا کی سب سے بڑے ''Cattle carrier'' بھیڑوں کا جہاز پر Fitter تھا جس کا نام ''الکویت'' تھا۔ جو کہ ایک لاکھ چالیس ہزار بھیڑیں آسٹریلیا سے خلیج لے جاتا تھا۔ جہاز کا کپتان انڈین عیسائی تھا اس کا نام ماسٹر جان گریشز (Master John Grashes) تھا۔ ہمارے ساتھ جہاز پر ایک چاچا غفور ہوا کرتے تھے ان کا پورا نام عبدالغفور تھا۔ بڑے نیک بندے تھے ان کا تعلق بنگلہ دیش سے تھا اپنے کام میں بھی بہت تیز تھے ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے کبھی کوئی فضول بات نہیں کرتے سب اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔

ہمارے کپتان نے جہاز پر ایک مسجد بھی بنائی تھی حالانکہ عیسائی تھے اس کی وجہ شائد یہ بھی ہو کہ جہاز عربوں کا تھا۔ چاچا غفور ہمارے امام مسجد بھی تھے وہ اس جہاز پر کبھی کبھی پندرہ پندرہ مہینے بھی گزار دیتے تھے۔ چیف آفیسر درویش صاحب تو انہیں چھوڑتے ہی نہیں تھے۔ ایک دن ہم چاچا غفور کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ان کی سنت کے مطابق داڑھی تھی جن میں وہ مہندی لگایا کرتے تھے اُن کی عمر بھی کافی تھی اس دن بہت پریشان تھے گھر کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ہم نے کہا چاچا جاؤ گھر کا چکر بھی لگا لو پھر اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے مجھے آج تک اپنے یار کا دیدار نصیب نہیں ہوا ہم ہنسنے لگے ہم نے مزاح کے طور پر کہا بیوی کا کہہ رہیں ہیں چاچا۔ چاچا غفور کہتے ہیں نہیں تم لوگ نہیں سمجھو گے جاؤ تم لوگوں کی چھٹی ہوئی آرام کرو۔ رات کو ہم فلم دیکھ رہے تھے کہ ایک لڑکا شاہجہان آیا کہنے لگا ٹی وی بند کرو چاچا غفور انتقال کر گئے۔ ہم سب پریشان ہو گئے اور ان کے کیبن کی طرف گئے۔ دیکھتے ہیں کہ چاچا غفور جائے نماز پر سجدے میں پڑے ہوئے تھے

اور اُن کی جان نکل چکی تھی۔ کپتان نے کمپنی کو بذریعہ ٹیلکس اطلاع بھیجی۔ کمپنی میں تو شور مچ گیا۔غفور چاچا کی ڈائری کمرے میں تھی جس میں اُن کی وصیت لکھی ہوئی تھی، وہ یہ کہ اگر میں مر جاؤں تو مجھے واپس نہیں بھیجنا مجھے سمندر برد کردو۔سمندر میں مرنے والے لوگوں خشکی سے مہینوں دور ہونے کی وجہ سے بطور دفن سمندر میں ہی ڈال دیتے ہیں۔ کمپنی نے ایک پرانے کپتان جو کہ چاچا غفور کے ساتھ 2nd Mate بھی رہا تھا جن کا نام کیپٹن مارلے تھا برٹش تھا،کو بھیجا ہم آسٹریلیا پہنچنے والے تھے وہ اُدھر آیا چاچا غفور کو فریج روم میں رکھا ہوا تھا۔کیپٹن مارلے صرف اُن کی آخری رسومات میں شرکت کے لئے آیا تھا۔راستے میں ایک جگہ چاچا غفور کا تابوت نکالا گیا،اُن کو ہم نے پہلے ہی غسل دیدیا تھا۔تابوت کے ساتھ ایک لوہے کا بھاری ٹکڑا باندھا گیا تاکہ تابوت ڈوب جائے سب لوگ اس نظارے کو دیکھنے کھڑے تھے اکثر کی آنکھوں میں آنسو تھے جب کرین سے تابوت اُٹھایا گیا اور سمندر میں پھینکا گیا ایک عجیب بات ہوئی اور وہ یہ کہ جب اُن کا تابوت پانی میں گراگرتے ہوئے اُسے جیسے کسی اَن دیکھے ہاتھوں نے تھام لیا ہو اور وزن کے باوجود ڈوبا نہیں یہ مغرب کا وقت تھا اور سورج غروب ہو رہا تھا کپتان مارلے جو بڑے غور سے یہ دیکھ رہا تھا وہ سیدھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے تم کہیں سے مسلمانوں والے سفید کپڑے دے سکتے ہو میں اس کے پیسے دے دوں گا میں نے پوچھا کس لئے چاہیئے؟ کہنے لگا میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا پھر تو میں مفت میں دیتا ہوں اور اپنا سب سے پیارا جوڑا انہیں دے دیا۔انہوں نے سب سے پہلے غسل کیا اور پھر کپڑے پہن کر مسجد آ کر کلمہ پڑھا۔عشاء کی نماز ہمارے ساتھ پڑھی اور نماز کے فوراً بعد انتقال ہو گیا۔ان کے چہرے پر ویسی ہی معصومیت تھی جیسی چاچا غفور کے چہرے پر تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قساوتِ قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

(مسند احمد)

عید کی نماز (قسط۔۳)

(مفتی شوکت صاحب،صوابی)

عید کی نماز باھر میدان میں پڑھنااحناف کے نزدیک سنت مؤکدہ ھے:

اصول فقہ کا ایک مشہور اصول یہ ہے کہ جو کام نبی کریم ﷺ نے مواظبت (پابندی) کے ساتھ من غیر ترکٍ کیا ہو تو وہ واجب ہوتا ہے۔اور اگر مواظبت کیساتھ ایک آدھ دفعہ ترک بھی کیا ہو تو یہ اسکی سنّیت (سنت مؤکدہ) کی نشانی ہوتی ہے۔چونکہ تمام ذخیرہ احادیث میں کہیں منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے بغیر عذر کے مسجد میں عید کی نماز پڑھی ہو، بلکہ ماسوائے ایک دفعہ جو بارش کے عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز عید پڑھائی تھی ،ہمیشہ کیلئے باہر صحراء اور کھلے میدان میں تشریف لے گئے ہیں ،باوجود اس کے کہ عمومی طور پر ایک عام صحراء پر فضیلت کی کیا حیثیت؟ عام مساجد پر بھی مسجد نبوی کو جوفضیلت اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے ۔لیکن ان تمام فضائل کے باوجود جب رسول مہربان ﷺ نے شہر (مدینہ) سے باہر نکلنے پر مواظبت اختیار فرمائی ہے تو اس کو سنت مؤکدہ بھی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے گا ؟اور جب اس کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہوا تو پھر سنت مؤکدہ کا ترک بھی قاعدہ فقہیہ کے اعتبار سے مکروہ تحریمی ہوجاتا ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ یہ دعویٰ (عید کی نماز کیلئے شہر سے باہر نکلنا سنت مؤکدہ اور مساجد میں بلا عذر پڑھ کر باہر نہ نکلنا مکروہ تحریمی ہونا) آگے فقہاء کی تصریحات سے بھی ثابت ہوجائے گا۔آیئے پہلے دیکھتے ہیں ..... خروج الی الجبانة..... کا مسنون ہونا:

(۱) فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری)

الخروج الی الجبا نة فی صلوٰ ة العید سنة و ان کان یسعهم المسجد الجامع علےٰ هٰذاعامةالمشا ئح هوا لصحیح هکذافی المضمرات : (ہندیہ ج/۱،ص/۱۵۰)

ترجمہ: نماز عید کیلئے (شہر سے باہر) میدان میں نکلنا سنت ہے،اگرچہ جامع مسجد میں سارے لوگ جمع ہو سکتے ہوں۔اسی پر عام مشائخ (احناف) کا عمل رہا ہے اور یہ قول صحیح ہے۔اسی

طرح مضمرات میں بھی منقول ہے۔

(۲) فتاویٰ قاضی خان:

والسنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضیٰ والاضراء ویصلی هو فی الجبانة بالاقویاء والاصحاء وان لم یستخلف احدًا کان له ذالک ....(قاضی خان ص۱۸۳، ج۱ حاشیہ ہندیہ ج۱)

ترجمہ: اور (عید کی نماز کا) مسنون (طریقہ) یہ ہے کہ امام (شہر چھوڑ کر) باہر میدان میں نکل جائے۔ اور شہر میں مریضوں، کمزوروں اور نابینا لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے کوئی دوسرا شخص مقرر کرے۔ اور خود صحت مند و توانا لوگوں کو (باہر) میدان میں نماز پڑھائے، اور اگر (شہر میں پیچھے) کسی کو مقرر نہیں کیا تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(۳) حلبی کبیر:

الخروج الیٰ المصلی و هی الجبانة سنه وان کان یسعهم الجامع وعلیه العامة المشائخ لما ثبت انه ﷺ کان یخرج یوم الفطر و یوم لاضحی الی المصلیٰ ....

(حلبی کبیر ص ۵۷۲)

ترجمہ: عید کی نماز کیلئے عیدگاہ یعنی صحراء میں نکلنا سنت ہے، اگرچہ جامع مسجد میں سارے لوگ آسکتے ہوں۔ اور اسی پر تمام مشائخ کا عمل رہا ہے، اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ (ہمیشہ) عیدین کی نماز کیلئے صحراء میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(۴) الفتاویٰ التاتارخانیہ:

والخروج الی الجبانة لصلوٰة العیدسنة وان کا یسعهم المسجد الجامع ،وعلی هٰذا عامة المشائخ . (الفتاویٰ التاتار خانیه ۸۹ ج۲)

ترجمہ: نماز عید کیلئے (شہر سے باہر) میدان میں نکلنا سنت ہے، اگرچہ جامع مسجد میں سارے لوگ جمع ہو سکتے ہوں۔ اسی پر عام مشائخ (احناف) کا عمل رہا ہے۔

آگے سنّیت اور عدم سنّیت کے بارے میں اختلاف ذکر کرتے ہوئے صحیح اور مفتیٰ بہٖ مسلک اسی کو قرار دیا ہے:

والصحیح ما علیه عامة المشائخ . اور صحیح قول وہ ہے جس پر عام مشائخ کا عمل ہے (یعنی نماز عید باہر میدان میں نکل کر پڑھنا) ....(حوالہ بالا)

(۵) فتاوی بزازیہ:

والسنة الخروج الی الجبانة وان وسعهم المسجد الجامع ویستخلف من یصلی فی المصر بالضعفاء والمرضیٰ . (فتاویٰ بزازیه علی هامش الهندیه ج ۴، ص ۷۷)

ترجمہ: عید کی نماز کیلئے صحراء میں نکلنا سنت ہے، اگر چہ جامع مسجد میں سارے لوگ آسکتے ہوں۔ اور کمزور و مریضوں کو پڑھانے کیلئے شہر میں نائب مقرر کرے۔

(۶) مولانا عبدالحیؒ:

مولانا عبدالحیؒ ظہیریہ کے حوالے سے صحیح مذہب یہی قرار دیتے ہیں۔

لکن الخروج سنة مؤکدة وان وسعهم المسجد الجامع فان صلوا فی مساجد المصر من غیر عذرٍ جازت صلوٰتُهم وترکوا السنة هذا هو الصحیح

(عمدة الرعایة شرح الوقایه)

ترجمہ: لیکن خروج (میدان اور صحرا کی طرف) سنت مؤکدہ ہے اگر چہ جامع مسجد کے اندر سب لوگوں کا اجتماع ہو سکے۔ پس اگر انہوں نے شہر کی مساجد میں بغیر عذر شرعی عید کی نماز پڑھ لی، تو ان کی نماز (تو) ہو جائے گی لیکن خلاف سنت، اور یہ (قول) صحیح ہے۔

آگے لکھتے ہیں کہ علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ ہمارے زمانے میں خروج الی الصحراء سنت مؤکدہ ہے یا مستحب۔۔۔؟

فافتی اکثرهم بانه سنة مؤکدة وهذا هو القول المنصور الموافق لکتب الاصول والفروع المطابق لما علیه الجمهور .....(عمدة الرعایه علی شرح الوقایه)

ترجمہ: پس اکثر نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ (خروج الی الجبانۃ ہمارے زمانے میں بھی) سنت مؤکدہ ہے اور یہ قول اصول وفروع کی کتابوں کے موافق ہے اور اسی پر جمہور کا عمل ہے۔

فقہاء کی مذکورہ بالا تصریحات سے بالکل واضح ہو گیا، کہ جمہور احناف صحیح اور مفتیٰ بہ مسلک یہ ہے کہ عیدین کی نماز مساجد کے بجائے شہر سے باہر کھلے میدان میں پڑھی جائے۔ اور یہ طریقہ مسنونہ متوارثہ ہے۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمارے اکابر حضرات کے فتاویٰ سے ہمیں کیا فیصلہ ملتا ہے۔

(۷) کفایت المفتی:

سوال: ہمارے ہاں شہر بھروچ میں بہت سے لوگ اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں میں چھوٹی جماعت کے ساتھ نماز عید ادا کر کے اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پس جو لوگ محلّہ کی مسجد میں نماز گزارتے ہیں اور جو لوگ ہمراہ قاضی بیرون شہر عیدگاہ میں نماز پڑھتے ہیں ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: عید کی نماز شہر سے باہر جا کر عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ **والخروج الیھا (ای الجبانۃ) لصلوۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع وھو الصحیح** (درمختار ص/۶۱۲، ج/۱) اور شہر میں بلا عذر عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگرچہ نماز ہو جائے گی مگر ثواب کم ہوگا اور اگر عذر ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ .... (کفایت المفتی ص/۲۹۳، ج/۳)

سوال: عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں۔۔؟

جواب: عیدگاہ کی نماز باہر میدان میں یا عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، (کفایت المفتی ص/۳۰۳، ج/۳)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

عید کی نماز آبادی سے باہر جا کر میدان میں یا عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ماثورہ قدیمہ ہے۔ شہر کے اندر بوڑھوں، بیماروں، کمزوروں کی خاطر یا بارش یا کسی اور عذر کی وجہ سے پڑھی جائے تو خیر مضائقہ نہیں ورنہ بلا عذر شہر میں عید پڑھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح بلا عذر تعدد بھی مکروہ ہے۔

(کفایت المفتی ج ۳ ص ۳۰۵)

(۸) خیر الفتاویٰ :

عیدین کی نماز کھلے میدان میں ادا کرنا سنت ہے گو مسجد میں تمام نمازی آسکتے ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے سوئے ایک دفعہ کے، وہ بھی بارش کی وجہ سے، ہمیشہ عیدین کی نماز جنگل میں ادا فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ زیادہ ثواب اتباع سنت میں ہے۔ (سائل نے سوال میں گراؤنڈ کے بارے میں استفتاء کیا تھا اسلئے فرمایا) لہٰذا گراؤنڈ میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ مع ھٰذا مسجد میں پڑھنے سے بھی ادا ہو جائیگی، والخروج الی الجبانة لصلوٰة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع هوالصحیح (شامی) (خیر الفتاویٰ ص ۱۲۶ ج ۳)

(۹) فتاویٰ مفتی محمودؒ:

عیدگاہ (صحراء) میں نماز ادا کرنا سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ ہمیشہ عید کی نماز پڑھنے کیلئے باہر صحراء میں تشریف لے جاتے تھے، سوائے ایک دفعہ کے جس میں بارش کے عذر کی وجہ سے مسجد نبوی میں نماز ادا کی گئی، حالانکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی کتنی فضیلت ہے۔ لہٰذا عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھنا مسنون ہوگا۔ اگر جامع مسجد میں نماز عید ادا کی گئی تو نماز عید ہو جائیگی اگرچہ ایک سنت مؤکدہ فوت ہو جائیگی۔ کما فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱، ص ۶۱۲ (والخروج الیها) ای الجبانة الیٰ صلوٰة العید (سنة وان وسعهم المسجد الجامع) هوا لصحیح

اسی طرح امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۳۸۳ پر بھی مسئلہ موجود ہے۔

(فتاویٰ مفتی محمودؒ ج ۲، ص ۵۱۷)

(۱۰) احسن الفتاویٰ:

عیدگاہ شہر سے باہر ہونا سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ عیدین کی نماز ہمیشہ باہر ادا فرماتے تھے۔ بلکہ معذوروں کو بھی ساتھ لے جانے کا اہتمام فرماتے تھے۔ صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے باہر تشریف نہیں لے جاسکے رواہ ابوداؤد فی سننہ اس لئے اصل حکم یہی ہے کہ عید کیلئے شہر سے باہر ایک ہی

جگہ اجتماع عظیم ہو۔اس میں شوکت اسلام کا مظاہرہ بھی ہے۔مگر بڑے شہروں سے باہر نکلنا مشکل ہے۔اسلئے شہر کے اندر بڑے میدان یا بوقت ضرورت مسجد میں ادا کرنا درست ہے۔لیکن حتی الا مکان لازم ہے کہ ہر محلّہ میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کی جائے۔قال فی الدر والخروج الیھا ای الجبانة لصلوٰة العید سنة وان وسعھم المسجد الجامع ھو الصحیح ، وفی الشامیہ قال فی الظھیریة وقال بعضھم لیس بسنة وتعارف الناس ذالک لضیق المسجد وکثرة الزحام والصحیح ھو الاول اھ وفی الخلاصہ والخانیہ السنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء علٰے ان صلوٰة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق وان لم یستخلف فلہ ذالک اھ

(ردالمختار ص ۷۷۶، ج ۱) واللہ اعلم

(احسن الفتاویٰ ج ۴، ص ۱۲۹)

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ: کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہوسکتی ہے)۔“ پھر عرض کیا گیا، کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہوسکتی ہے)۔“ پھر عرض کیا گیا، کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ”نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بے باکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہوسکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کرسکتا)۔“

☆☆☆☆☆☆☆

مبارکباد

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ)

بندہ جب صبح کالج آتا ہے تو بزرگوں کی دعا ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے بندہ کے ساتھ کام کرنے والے بہت خوشگوار طریقے سے ملتے ہیں۔ بندہ کے چپڑاسی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی خوشگوار بات یا خوشخبری صبح صبح سنائے۔ ۲۵ فروری کو جب ملاقات ہوئی تو چپڑاسی نے بغل سے اخبار نکال کر دیتے ہوئے کہا ڈاکٹر صاحب مبارک ہو شیخ رشید ہار گیا۔ اس خبر کو سنانے کے لئے اس غریب آدمی نے اخبار پر دس روپے کا خرچہ بھی کیا ہوا تھا۔ ادھر اُدھر سے مبارکبادیں ہونے لگیں کہ جامع حفصہ کا قاتل ہار گیا۔ یہ مبارکبادیں عام لوگ کر رہے تھے، کوئی علماء، طالبان وغیرہ نہیں تھے۔ سنا ہے کسی دینی پارٹی نے بھی شیخ رشید کو ووٹ دیئے تھے۔ دینی پارٹیوں کی اپنی دانشورانہ سوچ ہوتی ہے جبکہ عوام کی ایک سادہ دلانہ سوچ ہوتی ہے۔ جامعہ حفصہ کی بچیوں کی روحیں ایک طرف تو ملکی قانون کو پکار رہی ہیں کہ کیا اس قتل کا بھی کوئی عدالتی فیصلہ ہوگا۔ جس ملک کے آئین میں لکھا ہوا ہے کہ کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اس واقعے کو ذرا اُس قانون کے سامنے پیش کیا جائے جو یہ کہتا ہے کہ اگر دنیا کے سات ارب انسان ایک آدمی کے قتلِ ناحق میں شریک ہوں گے تو سب کے سب قصاص میں قتل کئے جائیں گے۔ دوسری طرف یہ روحیں ربِ ذوالجلال کے دربار فریاد کناں ہیں جب انسان حق فیصلے نہیں کرتے تو اللہ کی بے آواز لاٹھی بجتی ہے۔ جب بجتی ہے تو پھر کسی کا سر سلامت نہیں رہتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ○ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ○ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰالِحِیْنَ○ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن○ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰھِی بِحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمِ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

یا مُصَوِّرُ یا مُصَوِّرُ یا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

دارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل

ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک و احسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جہری ذِکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سوبار **لا الہ الا اللّٰہ**، سوبار **الا اللّٰہ** اور سوبار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دوسوبار، **الا اللّٰہ** چارسوبار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سوبار، **اللّٰہ** سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کرسکتا ہے، رسول کا انکار کرسکتا ہے آخرت کا انکار کرسکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کرسکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہر حال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعا جو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰماً فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ یَا مُصَوِّرُ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ o ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ o ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰماً فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰهُ خَلْقاً اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ o رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ o رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ط اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَا ط اِلٰهِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمْ وَ اَهْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی ترتیب

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں تربیتی ترتیب کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

درجہ اوّل: تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں، جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کی بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہو تو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

اُم الامراض، اکابر کا سلوک واحسان، فیضِ شیخ (حضرت مولانا زکریاؒ)

تسہیلِ قصد السبیل، تسہیل المواعظ، اصلاحی نصاب (دس رسالوں کا مجموعہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

درجہ دوم: بہشتی زیور، ملفوظاتِ حکیم الامت (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، اُسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)، آپ بیتی (حضرت مولانا زکریاؒ)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطارؒ) اور کیمیائے سعادت (امام غزالیؒ)

درجہ سوم: سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ) تربیت السالک، التکشف، بوادر نوادر، انفاس عیسیٰ، بصائر حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، احیاء العلوم (امام غزالیؒ)

جھری ذکر کی احتیاط اور طریقہ

سارے تصوف کے سلاسل کی طرح ہمارے سلسلہ میں بھی ذِکر کو قلب کی اصلاح میں بطور بنیادی ذریعہ شامل کیا گیا ہے۔ سلسلہ کی ترتیب میں چشتیہ صابریہ جہری طریقہ ذِکر، ضرب کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے درجہ میں صرف سوبار **لا الہ الا اللّٰہ**، سوبار **الا اللّٰہ** اور سوبار **اللّٰہ** کا ذِکر کیا جاتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے درجہ میں **لا الہ الا اللّٰہ** دوسوبار، **الا اللّٰہ** چارسوبار **اللّٰہُ اللّٰہ** چھ سوبار، **اللّٰہ** سوبار کی اجازت دی جاتی ہے۔

کتابوں کا مطالعہ تو ہر کوئی کرسکتا ہے جبکہ جہری ذِکر کی ترتیب کے لیے بیعت، مشورہ اور اس کے طریقہ کو بالمشافہ (آمنے سامنے) سیکھنا ضروری ہے، خود سے کرنے میں ذہنی وجسمانی نقصان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

ایک ناقابلِ انکار حقیقت

انسان خدا تعالیٰ کا انکار کر سکتا ہے، رسول کا انکار کر سکتا ہے آخرت کا انکار کر سکتا ہے لیکن ایک ایسی حقیقت جس کا انکار نہیں کر سکتا وہ موت ہے۔

؎ جان جانی ہے جا کر رہے گی　　موت آنی ہے آ کر رہے گی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ

ترجمہ: ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو قیامت کے دن پورے بدلے ملیں گے۔ پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اُس کا کام تو بن گیا۔

؎ پھول بننے کی خوشی میں مسکرائی تھی کلی　　کیا خبر تھی یہ تغیر موت کا پیغام ہے

اَلْمَوْتُ قَدَحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا　　وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

ترجمہ: موت ایک پیالہ ہے جسے ہر نفس نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس سے ہر نفس نے داخل ہونا ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمت اللہ علیہ تہجد سے پہلے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شب تاریک، رہ باریک، منزل دور، من تنہا　　دستم گیر یا اللہ!، دستم گیر یا اللہ!

رات اندھیری، راہ ہے ٹیڑھی، منزل دور اور ہم تنہا　　پکڑیو ہاتھ یا اللہ!، پکڑیو ہاتھ یا اللہ!

بہر حال جن کی آخرت آباد ہے اُن کے لئے تو بشارت ہے:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ ہی شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ بلا سے نزع میں تکلیف کیا ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں اُمیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

یہ عالم عیش وعشرت کا یہ حالت کیف ومستی کی بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی بس اتنی سی حقیقت ہے 'فریبِ خوابِ ہستی' کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کی تربیتی سرگرمیاں

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ، جو بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے شیخ شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ کی یاد میں قائم ہوا ہے، سالانہ مندرجہ ذیل اصلاحی سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۱۔ درسِ قرآن: ہفتہ میں چھ دن بعد نماز عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۲۔ مجلسِ ملفوظات: ہفتہ میں سات دن بوقتِ اشراق، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۳۔ مجلسِ ذکر: بروزِ اتوار مغرب تا عشاء، مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۴۔ مجلسِ ذکر: بروزِ پیر مغرب تا عشاء، مسجدِ نُور، فیز تھری، حیات آباد، پشاور۔

۵۔ مجلسِ ذکر: بروزِ منگل مغرب تا عشاء، مسجدِ فردوس، پشاور یونیورسٹی۔

۶۔ عورتوں کی مجلس: بروزِ ہفتہ عصر تا مغرب، حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے گھر، دھوبی گھاٹ، پشاور یونیورسٹی۔

۷۔ جمعہ کا خطبہ: مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی۔

۸۔ ماہوار اجتماع: اس کے لئے تاریخ مقرر کی جاتی ہے۔ اجتماع بروزِ ہفتہ مغرب سے شروع ہو کر بوقت چاشت اتوار کو ختم ہوتا ہے۔ مہمانوں کے قیام وطعام کا بندوبست ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۹۔ رمضان: پہلے بیس دن ہر روز مغرب سے پہلے مدینہ مسجد، پشاور یونیورسٹی میں مجلسِ ذکر ہوتی ہے۔ مہمانوں کا افطار ادارہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخری عشرہ میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد شرکت فرماتی ہے۔

۱۰۔ موسمِ گرما کا اجتماع: موسمِ گرما میں شمالی علاقہ جات میں کسی ٹھنڈے مقام پر سالانہ اجتماع منعقد کیا جاتا ہے۔

(ڈاکٹر فدا محمد مد ظلہٗ)

☆☆☆☆☆☆☆